

# ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟

اس

(جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی (لفظ)، بیرٹن (پٹنہ))

(صدر شعبہ فلسفہ، جامعہ عثمانیہ)

گرچہ دیوار انگنڈ سایہ دراز باز گرد سوئے او آں سایہ باز  
 ایں جہاں کوہ است و فصل ماندا سوئے ما آید ندا ہا را صدا  
 قرآنِ عظیم کی تعلیم یہ ہے کہ کائنات میں ایک لامتناہی حکمت، رحمت و کرم کے ساتھ مصروف  
 عمل ہے اور زندگی کے ہر قدم پر پہلوی رہبری کرنے پر آمادہ ہے۔ اگر ہم اس پر بھروسہ کریں اور اعتصام  
 کے طریقوں سے واقف ہو کر اس کے دامن میں چنگل ماریں، ہمیں کائنات میں بے یار و مددگار، بے نئی  
 و نصیر، نہیں چھوڑا گیا ہے، ساری زندگی 'لطفِ حق' شامل حال رہتا ہے، زندگی حق تعالیٰ کی نعمت و فضل  
 سے مملو ہو جاتی ہے، اطمینانِ قلب و جمعیتِ خاطر نصیب ہوتی ہے، اگر ہم رضائے حق کے تابع ہو جائیں  
 اور حق تعالیٰ کو کافی سمجھ کر سارے کام ان کے سپرد کر دیں!

حق تعالیٰ ہمیں سلامتی و نجات کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، وَاللّٰهُ يَدْعُوْاۤلِىْ ذٰلِكَ لَسَلٰمٍ  
 ان تجربات میں کامیاب کرنا چاہتے ہیں جن سے ہم گذر رہے ہیں اور جن سے ہم خوف زدہ ہیں۔!  
 اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلٰى النَّاسِ (فقہ ۲۲۶) وہ ہمارے ضعف و کمزوری سے واقف ہیں، وہ ہمارا  
 بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہیں۔ مِرْنِدُ اللّٰهُ اَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ دَحْلَ الْاِنْسَانِ صَبِيْعًا (النساء ۵۴) حق تعالیٰ  
 ہمیں برترین مسرت عطا کرنا چاہتے ہیں، اور اس سرور سے ہمارے قلب کو مملو کرنا چاہتے ہیں جس کا  
 خود ہمیں اندازہ نہیں فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرْاٰنٍ اَعْلٰنٍ خَيْرًا اَعْرَابًا كَاُنُوْا يَعْلَمُوْنَ، انہیں  
 کی ٹھنڈک کا جو سامان خزانہ غیب میں موجود ہے اس کی کسی کو خبر نہیں (السجہ ۲۶)

دنیا میں ہر جگہ ایک کامل الہی نظم موجود ہے، جس میں توافق و ہم آہنگی بھی ہے اور سرور سکینہ بھی! حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی اس نظم الہی کے دائرہ میں بسر ہو اور زمین پر رہ کر بھی ہم جنت کی خوشبو سونگھتے رہیں: **هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهٗ وَرَبُّكُمْ مِنَ الظَّالِمِيْنَ اِلَى التَّوْبَةِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا** (الاحزاب ۵۶) حق تم اور اس کے فرشتے مومن پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں، حق تم انھیں تریبون سے نکال کر نور کی طرف لے جاتے ہیں اور وہ مومن پر بہت مہربان ہیں!

اسی زندگی میں ہمیں یہ نعمت مل سکتی ہے اور حق تعالیٰ ہی ہمیں اس کو عطا کر سکتے ہیں! وَمَا يَكُوْمُ مِنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ! اگر ہم حق تعالیٰ پر کامل بھروسہ کریں تو ہماری مثال اس درخت کی سی ہو جاتی ہے جو پانی کے چھتے کے بازو آگاہ ہے، ہر وقت روحانی قوت و حیات کے سرمدی چشموں سے ہمیں تازگی پہنچتی رہتی ہے!

صد جو عالم در نظر پیدا کند چونکہ چشمت را بخود بنیاد کند (یعنی) اگر ہماری آنکھیں حق تعالیٰ کے مشاہدہ کے لئے کھل جائیں اور ہم ہدایت و نظم الہی کے دائرہ میں اپنی زندگی بسر کریں تو ہماری ساری خارجی شکلیں حل ہو جاتی ہیں یا غائب ہو جاتی ہیں:

گر جہاں بڑ برف گردد سرسبز تاب خور بگذازدش از یک نظر (رومی)  
اس عقیدہ یا ایمان کی مضبوط چٹان پر کھڑے ہو کر زندگی کے کچھ قدیم دستور اصول ہم سے سفر اور زندگی کے تجربات، حالات یا ماحول میں ان سے کام لو، زندگی "گریہ پیہم" نہ رہے گی، "خندہ یکدم" ہو جائے گی!

یاد رکھو کہ خارجی زندگی باطنی زندگی کا عکس ہے۔ ہماری باطنی زندگی یا انفس، جیسا ہو گا ویسا ہی عکس ہمارے خارجی حالات ہوں گے ویسا ہی ہمارا "آفاق" ہو گا۔ "آفاق" تابع انفس ہے۔ "آفاق" نیز انفس کے تغیر کا تابع ہے۔ اس صداقت کو قرآن حکیم نے ایک سے زیادہ جگہ واضح کیا ہے، سک و شہ سے نکلنے کے لئے ہم اس کا ذکر رہے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا

واقعی حق تو کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک

وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے۔

یہ بات اسی سبب سے ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمت

کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتے جب تک

کہ وہی لوگ اپنے انفس کو نہیں بدل ڈالتے۔

يَا نَفْسِمْهُمْ (اردو ۲۶)

ذَلِكَ يَانَ اللّٰهَ كَرَمَيْكَ مُغَيَّرَ نِعْمَةً

أَلْعَمَهَا عَلَى قَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا يَأْتِيهِمْ

(الانفال ۷۶)

خارج کا تغیر، ماحول کا بدلنا، حالات پر قابو پانا ہو تو باطن کا تغیر، انفس کا بدلنا ضروری ہے۔ اگر

باطن میں کجی ہو، انفس خام و ناشائستہ ہو، تو خارج میں کجی، ناہمواری، عدم توفیق یا دوسرے الفاظ میں

درد و غم، قلت و اقلال، ضیق و پریشانی کا ہونا ضروری ہے۔

باطن یا انفس سے مراد ظاہر ہے کہ انفس اور اس کے صفات ہیں اور ان سے پیدا ہونے والے

افعال و اعمال ہیں۔ اب ماحول کی ناسازگاری، ضیق و پریشانی، رنج و غم، غم و الم راست نتیجہ میں باطنی

زندگی کا، یعنی رذائل اخلاق کا، اتباع ہوی کا، جرم و معصیت کا، بدکرداری و گناہ کا قرآن مجید نے اس

کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے۔

اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی

ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے ہے اور

بہت سے تو درگزر ہی کر دیتا ہے۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ

أَيْدِيكُمْ وَتَعْلَمُونَ كَثِيرٌ (شوری ۵۶)

اسی اصول کو کسی اور جگہ اور زیادہ واضح الفاظ میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔

اور جس وقت تم کو ایک تکلیف پہنچی کہ تم اس سے

دو چند بچنا چکے ہو تو کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آئی؟

آپ فرما دیجئے کہ یہ تکلیف تم کو تمہارے ہی طرف

سے پہنچی۔۔۔۔۔

أَوَلَمْ آتَاكُمْ بِتِلْكَ مُصِيبَةٍ لَّا تَأْتِيكُمْ

مِثْلَهَا قُلْتُمْ أَتَى هَذَا قُلُوبَنَا

عِنْدَ الْفُسْكَ ط إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ (چک ۸۶)

صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصول کی تفسیر میں فرمایا:

یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو تم پر لوٹائے جاتے ہیں

اتماھی اعمال کو تمہارے علیکم

یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جن کو میں محفوظ رکھتا ہوں (تمہارے نامہ اعمال میں لکھوا جاتا ہوں) کن کا پورا پورا بدلہ تم کو ملے، اگر تم میں سے کوئی خیر پائے تو اللہ کا شکر کرے اور اگر اس کے خلاف پائے تو سوائے اپنے نفس کے کسی پر ملامت نہ کرے

دوسری جگہ یوں فرمایا:  
 إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا عَلَيْكُمْ مِنْ دَجْدٍ خَيْرًا هَنِيئًا اللَّهُ وَمِنْ دَجْدٍ غَيْرِهَا فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ

اس اصول کی وضاحت میں صوفیہ کرام نے جو مثال استعمال کی ہے وہ نہایت صحیح اور صاف ہے وہ شخص اور اس کے سایہ سے اس اصول کو سمجھاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ظل یا سایہ شخص کے تابع ہوتا ہے۔ اگر کوئی شے ٹیڑھی ہو تو اس کا سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا اور اگر سیدھی تو سایہ بھی سیدھا ہوگا۔ نفس شخص کے مانند ہے اور ماحول اس کا سایہ ہے، یا صفات اعمال شخص کی مثال ہے، حالات و واقعات ان کا عکس و سایہ ہیں۔ شیخ ابوالخیر اپنے احباب سے کہا کرتے تھے۔

یعنی ”جان لو کہ جو اعمال تم سے سرزد ہوتے ہیں ویسے ہی تمہارے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے، اسی لئے ذرا اپنے اعمال پر نظر رکھنا کیونکہ ظل یا سایہ شخص کے تابع ہوتا ہے کبھی درستی ہر دو میں“

أَحْلُوا أَنْ جَمِيعَ الوجودِ يُعَالِمُكُمْ مَجْسَبٌ مَا بَرَزَ مِنْكُمْ مِنَ الِاعْمَالِ، فَانظُرُوا كَيْفَ تَكُونُونَ، فَإِنَّ الظلَّ تَابِعٌ لِلشَّخْصِ فِي العُجُوبِ وَالِاسْتِقَامَةِ“

اس صداقت پر امام شعرانی کو اتنا یقین تھا کہ اگر اپنے دو دستوں یا بیوی یا نوکروں سے کجروی یا نشوونما و گریزا اپنے معاملہ میں پاتے تو ذمہ دار اپنی ذات کو ٹھہراتے اور اپنے ہی پر ملامت کرتے۔ ان کا یہ قول مشہور ہے۔

یعنی لوگ میرے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتے ہیں جیسا کہ میں ان کے ساتھ کرتا ہوں، پس ملامت میرے ہی ذات پر ہے نہ کہ ان کی ذات پر، کیونکہ ان کی مثال کسی شے کے سایہ کے مانند ہے،

الوجود يعاملني على صورة عملت  
 فاللوم على راعيلهم في الاصل  
 لانهم كظل الشاخص على حد سواء،  
 فلان كان الشاخص مستقيما فالظل

مسند تقیہ اور اعوج فالظل اعوج ومن  
 طلب الاستقامۃ الظل مع عوج الشا  
 خض  
 اگر شے سیدھی ہے تو سایہ بھی سیدھا ہے اور اگر  
 شے پیڑھی ہے تو سایہ بھی پیڑھا جس شخص نے  
 اس بات کی توقع کی کہ پیڑھی شے کا سایہ سیدھا  
 ہوگا تو اس نے محال کی تمنا کی :-

قرآن عظیم نے کل نفیس بما کسبت سرہینہ " اور کل اشرفی بما کسب سرہین اور لہما ما  
 کسبت وعلیہما ما کنتسبت اور من عمل صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیہما  
 کہہ کر اس صداقت کی توضیح کی ہے۔ اس اصول کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو! یہ وہی اصول ہے  
 جس کو امیر مینائی نے عاشقوں کی زبان میں اس طرح ادا کیا ہے۔

یہ رونابے وفا کی کا یہ شکوہ کج ادائیگی کا  
 سزا ہے دل لگانے کی مزہ ہے آشنائی کا  
 فلسفہ اخلاق کی زبان میں اس کو یوں بیان کرتے ہیں: الناس مجربون باعمالہم ان خیر الخیر  
 وان شر الشر، لو کیوں کو اعمال کی جزا ملتی ہے اگر اعمال اچھے ہوں تو ان کی جزا بھی اچھی ہوتی ہے، اور  
 اگر اعمال بد ہوں تو ویسی ہی ان کی جزا ہوتی ہے!  
 بنیادی اصول کو سمجھ لینے کے بعد اب ماحول یا واقعاتِ زندگی کے سلسلہ میں تمہیں چند باتیں  
 سمجھنی ضروری ہیں۔

اوپر بیان کئے ہوئے اصول پر غور کرنے سے ہمیں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے  
 کہ زمین و آسمان کی پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور قرآن کریم  
 نے صاف الفاظ میں اس کی وضاحت کر دی ہے:

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَالْحَقُّ يَنْظُرُ  
 كَلَّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ

اور ان پر ذرا ظلم نہ کیا جائے

(البقرہ ۲۶)

یاد رکھو کہ زندگی کا مقصد نفل شیرخواری کی طرح ہماری دایہ گری کرنا نہیں! یہ فرائض و واجبات کا بارہا

کانہنوں پر رکھتی ہے تاکہ ان کی ادائیگی میں ہم زیادہ سے زیادہ قوی ہوتے جائیں، ہمارے اخلاقی اعتقاد و عقائد طائت درہوں اور ہم انسانِ کامل بن جائیں اور اس سرورِ مستی سے بہرہ یاب ہوں جو کائنات کے لئے مقدر کی گئی ہے!

یاد رکھو کہ ہماری زندگی ایک تربیت گاہ ہے۔ حق تعالیٰ ہمارے معلم اور استاد ہیں، روزمرہ کے واقعات اور حادثات وہ آلات ہیں جن کے ذریعہ ہماری سیرت کی تکمیل کی جا رہی ہے۔ دنیا کی مثال ایک "روح ساز دادی" سے دی جاتی ہے۔ یہاں کبھی غم کے مضراب سے اور کبھی خوشی کے تاروں سے سیرت کے خفتے نغمے بیدار کئے جاتے ہیں؛ راحت و غم، بلا و طرب، لذت و الم ہمیں اپنا سلوک طے کرنے میں مدد دے رہے ہیں، دونوں ہمارے لئے خیر ہیں، ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

بس زبونِ دوسوہ باشی دلا گر طرب را باز دانی از بلا  
موت و حیات کی تخلیق، قرآن حکیم کے الفاظ میں، اس لئے ہوئی ہے کہ اس امر کی آزمائش کی جائے کہ ہم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملك ۱۶)

جب حقیقت یہ ہے تو عارفِ راز زندگی کے تغیرات سے گھبراتا ہے نہ ان سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے، بلکہ تو اس کی تادیب و تزکیہ کے لئے ظہور پذیر ہو رہا ہے۔ ان تغیرات و تحولات سے وہ اسی طرح سبق لیتا ہے جس طرح کہ ایک ذہین و مہتمم طالب علم استاد کی تقریر و تعلیم سے استفادہ کرتا ہے اپنے جہل کو دور کرتا ہے، اپنے نفس کا تزکیہ، قلب کا تصفیہ اور اپنے دماغ کا خیالاتِ ناسدہ سے تخلیہ کرتا ہے! ان واقعات و تغیرات کی حیثیت اس کی نگاہ میں ایک پردہ کی سی ہے اور اس کے پیچھے وہ حق تعالیٰ ہی کو مصروفِ عمل دیکھتا ہے اور شیخِ حقیقی کے الفاظ میں حق تعالیٰ سے مخاطب

یہاں ہے:

مَرَّتْ اَشْهُدُنِي سَطْلَقِي فَاَعْلَيْتَنِي فِي اَسْءَلِي بِرُؤْيَاكَ رَجَعْتُ بِرُؤْيَاكَ فِي

كُلِّ مَفْعُولٍ حَتَّى لَا أَسْمَى فَاوَلَدَ عَلِيَّكَ  
 لَدَا كُونَ مُطْمَئِنًّا حَتَّى حَيْرَانَ أَقْدَارًا  
 اور زے ہر حکم کا مطیع و فرمان بردار بن جاؤں۔

اسی علم و عرفان کے ایک متوالے کی زبان سے یہ سریلے نئے نکلے ہیں:

یا رسیت مرا درائے پردہ حسن رخ او سزائے پردہ  
 عالم ہمہ پردہ مصدور اشیار ہمہ نقشہائے پردہ  
 ایں پردہ مرا ز تو جدا کرد اینست خود اقتضائے پردہ  
 نے نے میان ما جدائی ہرگز نکند عظائے پردہ (عالم)

جاہل تغیرات کو پسند نہیں کرتا، ان سے کبیدہ خاطر ہوتا ہے، ان کا مقابلہ کرتا ہے، عزائم ہوتا ہے! لیکن زندگی دائمی تغیر کا نام ہے، سکون محال ہے قدرت کے کارخانہ میں، اس لئے جاہل کا مقابلہ خود زندگی کے قانون اور اس کی قوتوں سے ہے! یہ قانون اور اس کی قوتیں مقصد و غایت کے لحاظ سے منصفانہ اور جہان اور عمل کے لحاظ سے غیر جانبدارانہ اور ناقابل شکست ہوتی ہیں! ہمیں زندگی کے واقعات و تغیرات کا مقابلہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ ان کے ساتھ بڑا درغبت اشتراک عمل کرنا چاہئے! یعنی ہمیں اس سبق پر نگاہ رکھنی چاہئے جو ہمیں ان واقعات و تجربات کے ذریعہ دیا جا رہا ہے کیونکہ جب ہم اس سبق کو یاد کر لیتے ہیں اور اس کے مطابق اپنی سیرت عمل میں تغیر پیدا کر لیتے ہیں تو ہم پر تکلیف دہ، ناخوشگوار اور المانک واقعات و تجربات رفع ہو جاتے ہیں اور طمانینت برد قلبی ہمیں نصیب ہوتی ہے۔ حقیقی معنی میں کامیاب زندگی کا راز حق تعالیٰ کے ارادے اور مقصد کے ساتھ توافقی و اتحاد ہے! اور اس مقصد و ارادہ کا اظہار ان ہی واقعات و تجربات و تغیرات میں ہو رہا ہے جس کے ساتھ توافقی ضروری ہے جس کا شرع کی زبان ”توافق بالعقضاء“ نام ہے، جس کو ”رذنا بالعطاء“ ”حفظ حال“ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے! اسی لئے واقفان راز نے کہا ہے کہ

بدیں سپاس کہ مجلس منور دست بناز گرت چو شمع جفا تے رسد بسوز دیبا

ہمیں دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ تجربات کے ذریعہ سیرت کی تکمیل کریں، اپنی پوشیدہ  
 و نہفتہ روحانی قوتوں کو ظاہر و نمایاں کریں جو الہی قوتیں ہم میں بالقوی ہیں انھیں بالفعل کریں، اور ہم اسی  
 صورت میں ارادۃ اللہ کے ساتھ توافقی قائم کر سکتے ہیں جب ہم اپنی زندگی کے واقعات و تجربات  
 کے ساتھ برضا و رغبت اشتراک عمل کریں، اور جو سبق وہ ہمیں سکھانے کے لئے رونما ہو رہے  
 ہیں انھیں سیکھیں نہ کہ ان سے تجاہل برتنے کی کوشش کریں:

در ریاضی بندگی رعنا ترا ز شاخ گل حسنت گردنے کز بار تسلیم در رضا خم می شود (امجد) (ملا شاہ)

تمام تجربات کا مقصد ہمیں اس راہ پر لے چلانا ہے جو خدا کی طرف سے جاتا ہے! ہم اپنے پہل کی وجہ  
 سے اس راہ سے بھٹک جاتے ہیں، دور جا پڑتے ہیں! جذبات و شہوات ہیں صراطِ مستقیم سے ہٹانے جاتے  
 ہیں! صراطِ مستقیم کی طرف ہمارے قدم اسی وقت اٹھ سکتے ہیں جب ہماری سیرت کی تکمیل ہو اور ہمارا روحانی  
 ارتقا عمل میں آئے اب زندگی میں مانہو نے نئے سار تجربات واقعات ہماری سیرت کی تکمیل کرتے ہیں اور ہمارا روحانی ارتقا میں وسیع تالیق ہونے کا ہمیں علم پہنچاتا ہے  
 جو حق تعالیٰ کی طرف ہمیں لے جاتا ہے۔ لہذا تجربات و حالات خوشگوار ہوں یا ناخوشگوار، مسرت بخش  
 ہوں یا غم ناک، بہ طور یہ ہمارے غیر برز کے حصول کے لئے ضروری و لا بدی ہیں، ان میں ہمارے  
 لئے ہدایت کا ایک سبق پوشیدہ ہوتا ہے جن کو معلوم کرنے اور جس پر عمل پیرا ہونے کی ہمیں کوشش  
 کرنی چاہئے اور جو ہی ہم نے اس ہدایت پر عمل کرنا شروع کر دیا ہمیں شقاوت، و مگر اسی سے نجات مل  
 جاتی اور ان سے پیدا ہونے والے نتائجِ ہضیق، خوف و حزن سے بھی!

فَمَنْ اتَّبَعَ هَذَا آيَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ  
 وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً  
 ضَنْكًا وَنَحْشًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ آخِلِي (طہ)

تو جو شخص میری اتباع کرے گا تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور  
 زشتی اور جو شخص میری نصیحت سے اعراض کرے  
 گا تو اس کے لئے تنگی کا عینا ہوگا اور قیامت کے  
 روز ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے

ہر تجربہ، ہر واقعہ زندگی کا خیر لا منتا ہی کی طرف لے جاتا ہے، تصادم کی بجائے اس سے  
 توافقی ہی سب سے بڑی عہتمندی ہے، رضا بالقضا اسی کو کہا جاتا ہے، ہماری زندگی میں کوئی



حادثہ نہیں نازل ہوتا مگر وہی جو حق تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمایا ہے، وہ ہمارے مولیٰ ہیں، آقا ہیں  
ہیں اپنے سب کام ان ہی کے سپرد کر دینے چاہئیں

قُلْ لَوْ كُنْ تُصِیْبُنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَأَهْلُوْنَا لَنَأْتِيَنَّكَ اللَّهُ فَنُصَلِّ عَلَيْكَ الْمَوْتِ

شاد و خنداں پیش تیغش سر سبز ہچو اسمعیل پیشش سر سبز (رومی)

تمام تجربات و حادثات و اوامعالجہ کی عرض سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جب ان کا مقصد  
پورا ہو جاتا ہے تو وہ غائب ہو جاتے ہیں، پھر دوبارہ حادثات کی تکرار عموماً نہیں ہوتی، پھر راست  
و طماننت ہی میں زندگی گزرتی ہے۔

لسر و گرم جہاں غاٹت چوراضی شد تمام عمر تر آب سرد و نان گرم است (سلیم)  
جب تک ہم حادثاتِ زمانہ سے سبق نہیں لیتے کچھ دوی و گم راہی میں مبتلا رہتے ہیں، اتباع  
شہوات میں گرفتار رہتے ہیں اور ان مصائب و آفات کو خود پیدا کرتے رہتے ہیں جن سے ہم نجات  
پانا چاہتے ہیں؛ جب ہم نے سبق ہدایت حاصل کیا، ہماری سیرت بدلتی ہے ہم میں تقویٰ کے صفات  
پیدا ہوتے ہیں، ہمارا نقطہ نگاہ بدلتا ہے؛ قانون الہی کے مطابق ہم فکر کرنے لگتے ہیں، حق تعالیٰ  
سے ربط قائم کرنے لگتے ہیں، ان کی ہدایت پر عمل پیرا ہونے لگتے ہیں۔ آفات و مصائب کا ورود  
جس عرض کی تکمیل کے لئے ہو رہا تھا اب وہ عرض چونکہ پوری ہو چکی ہوتی ہے، وہ بھی بند ہوجاتا  
ہونے لگتے ہیں!

دردناک تجربات و حادثات ہی سے ہم سبق ہدایت حاصل کرنا کافی نہیں بلکہ ان تجربات و حالات  
سے بھی جو خوشگوار اور راحت بخش ہوتے ہیں سبق سیکھنا ضروری ہے۔ آسائش و نعمت کی حالت  
میں بھی ہمیں شکر کے ذریعہ حق تعالیٰ کی یاد میں رہنا چاہئے چنانچہ تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے کہ  
فَلْيَكْثُرُوا لِلَّهِ عَابِدًا لَّسَخَاءٍ عِینِ وَأَسْأَشِ كِے وقت زیادہ دعا کرتے رہو

عین کی حالت میں دعا کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر نعمت کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھا جائے  
وَمَا يَكْفُرُوا مِنْ نِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ، کیونکہ درحقیقت منعم و قاسم نعمت حق تعالیٰ ہی ہیں، لہذا ان ہی کی مرضی

کے مطابق نعمتوں کا استعمال ضروری ہے۔ جب ہمیں نعمتیں عطا کی جاتی ہیں، جب ہم عافیت کی حالت میں ہوتے ہیں، جب ہمیں صحت و تندرستی ملتی ہے، امراض و آلام سے محفوظ ہوتے ہیں، فراخی و آسائش سے تمتع ہوتے ہیں تو یہ سب ہماری آزمائش و ابتلا رکے لئے ہوتا ہے دیکھا جاتا ہے کہ اس نعمت کے نتیجے کے طور پر ہم میں کبر و عجب تو نہیں پیدا ہو گیا، ہم شہوتوں و لذتوں کے درپے تو نہیں ہو گئے، موجودہ نعمتوں کو حقیر و خوار تو نہیں سمجھنے لگے اور ان نعمتوں میں عیب و نقصان تو نہیں نکالنے لگے ہر کچھا جاتا ہے کہ کیا نعمتوں و راحتوں کی وجہ سے ہم حق تعالیٰ کی اطاعت سے روگرداں ہو کر گناہوں اور معصیوں میں منہمک تو نہیں ہو گئے! اسی لئے سمجھا جاتا ہے کہ نعمت کی آزمائش مصیبت کی آزمائش سے زیادہ سخت ہوتی ہے، خوشی کا فتنہ تکلیف کے فتنے سے بہت بڑا ہوتا ہے! صاف بات ہے کہ گناہوں پر قدرت ہونے کے باوجود ان سے رک جانا یا صبر کرنا بہت دشوار ہوتا ہے! عیش و آرام سے انسان کا جسم فرہم ہونے لگتا ہے عیش و آرام بغیر اس کو صبر نہیں آتا اور دوام عیش اسی وقت ممکن ہے جب اس کے حصول میں وہ لوگوں سے مدد چاہے اور ظالموں سے التجا کرے اور یہ امور نفاق، کذب، ریا، بغض، دشمنی کا سبب ہو جاتے ہیں اور ان سے تمام روحانی ہلکات پیدا ہوتے ہیں! قلب کے سارے امراض جنم لیتے ہیں! اسی لئے صادق مصدوق علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ”دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے“!

جب انسان نعمت و عافیت کی حالت میں ہوتا ہے تو وہ عموماً حق تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے! از رویا دولت کی تدبیریں، اپنے سجاوٹ کا خیال، مال کی حفاظت کا بندوبست، اس کے خرچ کرنے کا انتظام، یہ تمام امور اس کے قلب پر سجوم کرتے ہیں، اور یہ سب اس کے دل کو سیاہ کرتے اور حق تعالیٰ کی یاد سے غافل کرتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا

﴿لَمَّا كُمُ التَّكَاثُرُ حَتَّىٰ شَرَدْتُمُ الْمَقَابِلَ  
فَعَلْتُمْ مِثْلَ قَوْمِ آلِ فِرْعَوْنَ كَرِهْتُمُوهُمُ﴾

کہ تم قریبوں میں پہنچ جاتے ہو!

نہ حب اللہ بنار اس کل خطئہ (رواہ البیہقی فی الشعب و ابن ابی الدینا)

اسی لئے عیش سے بچنے کی ہدایت فرمائی گئی۔ حضور انور صلعم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ”تم تنعم سے بچو، کیونکہ اللہ کے بندے عیش کرنے والے نہیں ہوتے (اِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَعَمِنِ)“

سچ ہے کہ نعمت کا فتنہ مصیبت کے فتنے سے بہت زیادہ سخت ہوتا ہے اور نعمت و مصیبت ہر دو ہمارے لئے ابتلا یا آزمائش ہیں! اسی حقیقت کو قرآن حکیم میں حق تعالیٰ اس طرح ادا فرما رہے ہیں:

وَقَطَعْنَاهُمْ فِي الْاَرْضِ اَمْمًا مِّنْهُمْ الصّٰلِحِيْنَ  
 وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ وَكَوْنُوْهُمْ يٰحْسَنَتِ  
 وَالسّٰبِغَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (پ ۱۱۶)

ہم نے دنیا میں ان کی مختلف جماعتیں کر دیں۔  
 ان میں سے بعض نیک تھے اور بعض اور طرح  
 کے اور ہم ان کو خوش حالیوں اور بد حالیوں سے  
 آزماتے رہے کہ شاید باز آجائیں۔

اسی طرح فرمایا:

وَبَلَّوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فَنَدَّدَ (پ ۳۶)

اور ہم تم کو بری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں  
 نعمت و عاقبت کی حالت میں مرد مومن مشکور ہوتا ہے، یہی اس حالت کا ادب ہے  
 اَلْمُؤْمِنِ مَسْكُوْرًا عِنْدَ الرَّحْمٰنِ  
 دل و زبان و اعضا کے شکر ہی سے نعمتیں سلب و نقصان سے محفوظ ہوتی ہیں اور ان میں اضافہ  
 ہوتا ہے۔

لٰكِنُّ مَشْكُوْرَتُهُمْ لَا يَزِيْدُكُمْ شَيْئًا  
 اگر تم شکر کرو تو یقیناً ہم نعمتوں میں اضافہ کرتے ہیں  
 خوب سمجھ لو کہ اجابت دعا، رزق و غنا، توبہ و مغفرت کا انحصار اپنی مرضی پر رکھا ہے کہ چاہا  
 تو دیا جاہا تو نہ دیا لیکن شکر کے معاوضہ میں زیادتی نعمت بلاستخلف ہے! اسی لئے حضور انور صلعم  
 نے فرمایا۔

مَنْ نَزَلَتْ اِلَيْهِ نِعْمَةٌ فَلْيَشْكُرْهَا  
 جس کو نعمت ملے وہ اس کا شکر ادا کرے!

نیز فلیکٹر الدعاء عند الشرحاء چین و آسائش کی حالت میں زیادہ دما کرتے رہو  
زندگی کے تجربے، حادثے، تغیر و تحول ہماری آزمائش، ہماری سیرت کی تعمیر تکمیل ہماری  
صلاحیتوں کو بیدار کرنے، بانقوی کو بالفعل کرنے ہی کی غرض سے رونما ہو رہے ہیں! ان کی دو قسمیں  
میں ملائم و ناملائم اور انسان کے نفس کی کئی دو حالتیں ہیں، تیسری حالت نہیں ایک عافیت دوسری بلا،  
ناملائم یا دردناک حادثات کا درد اس لئے ہوتا ہے کہ ہم کج روی سے باز آجائیں، تنہوتوں کے  
اتباع سے رک جائیں، سیرت کی اصلاح کر لیں! سوہا بن قضا ہمارے پیکر خاکی کو پختہ و ہموار بناتا ہے  
اس کی کمی و خامی کو تم و الم کے انگارہ سے دور کرتا ہے! بقول اقبال:

جہاں ما کہ جز انگارہ بنست اسیر انقلاب صبح و شام است  
ز سوہا بن قضا ہموار گردد بہنوز این پیکر گل ناتمام است  
نفس کی اس حالت کو بلا و مصیبت کی حالت سے تعبیر کیا جاتا ہے!

ملائم یا نعمت و عافیت کے حالات سے کبھی ہماری آزمائش ہوتی ہے، اگر ہم ان حالات میں یاد  
حق سے غافل نہ ہو جائیں، اپنا رخ ہی تعالیٰ ہی کی جانب رکھیں، ان کی نعمتوں کو ان کی مرضی کے مطابق  
استعمال کریں تو ہم اپنے باطن میں یہ نرا سینے ہیں۔

اگر کسی پر سبھا کہ هذا اضعف منک باہر  
اپنا باؤں مارو یہ نہا سنے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا

و تشریح ۱۱۴۶

یعنی ہم حق تو کی رحمت و رافت، لطف و منت کی ذریعہ سے سیراب ہوتے ہیں، ہم پر ان کی نعمت  
و ناز و محبت کے دروازے کھل جاتے ہیں، ظاہر و باطن کی نعمتیں ہم پر تمام کر دی جاتی ہیں اور حق تم اپنے  
لطف و کرم سے ہماری پرورش و پرداخت کرتے ہیں اور یہ حالت موت کے وقت تک باقی رہتی ہے  
یت کے بعد وہ اپنے فضل و کرم سے ایسی نعمت عطا کرتے ہیں جس کو کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ  
سنا سنا اور نہ کسی کے دل پر اس کا خطرہ گذرا ہے!

لہذا دیکھو فتوح الغیب مقالہ ۱۱

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (اسیورہ ۲۶)

نا ملائم یا دردناک واقعات و حادثات پر غالب آنے کا طریقہ تعطل، عجز، کسل، عین، بزدلی، ماتم و سید کو بی نہیں، نہ ہی مزاحمت و مقابلہ سرکشی و سب و شتم ہے بلکہ جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی ان حادثات کے سبق ہدایت سے مستفید ہونا، صبر و استقامت، حکمت و عقل مندی سے اپنی سیرت و اخلاق میں تغیر پیدا کرنا ہے! ہم میں سے اکثر کے لئے اس امر کا اعتراف سخت مشکل ہے کہ ہماری زندگی میں جو کچھ بھی درد و غم، اندوہ و الم کی صورت میں وقوع پذیر ہو رہا ہے اس کی اصلی علت خود ہمارے نفس میں پوشیدہ سرگرم عمل ہوتی ہے! شیخ محی الدین اکبرؒ کی یہ تہدید کہ ”یہ ایک کسبیتا و فوک نفع“ یہ تیرے دونوں ہاتھوں کی کمائی ہے اور تیرے منہ کی مانگ ہے۔“ ہمارے سمجھ میں نہیں آتی اور ہم الزام زندگی پر رکھتے ہیں، حق تعالیٰ پر تہمت لگاتے ہیں یا اپنے ہم جنسوں کو متہم ٹھہراتے ہیں، اور اس سبق کو سیکھنے سے انکار کرتے ہیں جو حادثات و المناک واقعات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی لامتناہی حکمت ہمیں سکھانا چاہتی ہے ہم ٹوٹے ہوئے دل سے کہہ جاتے ہیں کہ ”لوگو! دیکھو! میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جا رہا ہے! ایک مصیبت ختم نہیں ہونے پاتی کہ دوسری اس سے زیادہ آفت مجھ پر نازل ہوتی ہے! بتلاؤ میرا کیا تصور ہے؟ یہ سب میری تقدیر کا نوشتہ ہے! ہائے تقدیر!“

طلعے دارم آنکھ از پے آب	گر روم سوئے سحر بر گرد
در بدوزخ روم پے آتش	آتش از یخ منسودہ تر گرد
ور زکوه الناس سنگ کنم	سنگ نیاب چون گہر گرد
گر سلائے برم بزد کے	ہر دو گو شتم سچکم کر گرد
در بصیرا روم سببتن خاک	فک حالی بہ زرخ زر گرد
ایں چنین حالہا بہ پیش آید	ہر کرا روزگار بر گرد

(مولانا لطف اللہ نیشاپوری)

لیکن سچ بات تو یہ ہے کہ ہمارے روحانی ارتقا کے لئے جن حالات کی ضرورت ہے ہم خود

انفیس اپنی طرف جذب کرتے ہیں، ان تمام بلاؤں اور آفتوں کا باعث خود ہم ہیں، حضور اور صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع و مانع الفاظ میں ہماری ”ہوی متبع و شہم مطاع“ (خواہشات نفسانی جن کا اتباع کیا گیا اور وہ مرض جس کی سبزی کی گئی ہے! جب ہماری آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور ہماری سمجھ میں آجاتا ہے کہ ”ازماست کہ برما است“ ”ازماخیزد برما ریزد“ اور زندگی میں کامل انصاف ہے تو پھر ہم بیچ اٹھتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُظِلُّمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ  
النَّاسَ أَنفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ (یونس ۵۶)

بے شک حق تو لوگوں پر ظلم نہیں کرتے لیکن لوگ خود  
اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

اب ہم اپنا رخ حق تعالیٰ کی طرف کر لیتے ہیں، ”انصار اللہ“ بن جاتے ہیں، حق تعالیٰ کی مخالفت ترک کر دیتے ہیں، ان کے قائم کردہ حدود سے تجاوز نہیں کرتے، ان کے قوانین کی پابندی کرنے لگتے ہیں! اسی میں ہماری عظیم نشان کامیابی ہے:

ماحول پر غالب آنے کا پس یہی طریقہ ہے کہ ہم اپنے قلب کا جائزہ لیں اور خارجی مشکلات و آفات کے اسباب و علل کی تلاش ”انفس“ میں کریں:

اگر ہم دیکھیں کہ حق تعالیٰ کی محبت سے ہمارا قلب عاری یا غالی ہے، دنیوی لذتوں و شہوتوں سے ملبوس ہے، اس کے گرد و فیر گردیدہ ہے، اس کے رنگ و بو پر فدا، اس کے ”خندہ گردیہ آمیز“ پر قربان، تو ہمیں اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہنا چاہئے کہ

لَا تَغْرِبَنَّكُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغْرِبَنَّكُمْ  
بِاللَّهِ الْعَزُّوسَا (پ ۱۳۶)

سو تم کو دنیوی زندگی و دہوکہ میں نہ ڈالے اور تم کو  
دہوکہ باز شیطان اللہ سے دھوکہ میں نہ ڈالے

اور ”انفس“ کے تغیر کی طرف فوراً متوجہ ہونا چاہئے اور اس وقت کے انتظار میں نہ رہنا چاہئے، آفات کا نزول ہونے لگے اور ہمیں مجبوراً ایسا کرنا پڑے! عموماً یہی ہوتا ہے کہ ہماری سہ کاری کی دُور ہمارے قلب کی محبوب ترین چیز ہم سے چھین لی جاتی ہے۔ اور اس وقت ہم شدت حزن و غم سے ہر چیز سے ٹوٹ کر حق تعالیٰ کے قدموں پر گر جاتے ہیں اور ہمارے قلب سے یہ صحیح نکلتی ہے

اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے! تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی! میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، رزساں ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، ترسے آگے سوال کرتا ہوں جیسے کیس سوال کرتے ہیں، تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے کھنکی ہوئی ہو اور اس کے آنسو بہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ ترسے آگے فرودستی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو! اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھو اور میرے حق میں برا بھلا نہایت رحیم ہو جا! اے سب مانگنے والوں سے بہتر! اے سب دینے والوں سے بہتر!

بلا کے نزل کے بعد ہم وہی کرتے ہیں جو نزل سے پہلے بھی رخصت اور عنت کے ساتھ کر سکتے تھے غم و الم کے انکار سے چھلنے کے پہلے اگر ہماری عیدیت، کی ہی کیفیت ہوتی تو ہم پر یہ عذاب ہی نازل نہ ہوتا:

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ  
اللَّهُ تَعَالَى تَمَّ كَوْنَهُ عَذَابٌ دَعَا كَرِيماً لَوْ كَرِهَ اللَّهُ لَمَّا كَرِهَ

اللَّهُمَّ أَنْتَ تَسْمَعُ كَلَامِي وَتَرَى مَكَانِي  
وَتَعْلَمُ سِرِّي وَتَعْلَمُ نِيَّتِي لَا يَخْفَى عَلَيْكَ  
شَيْءٌ مِنْ أَمْرِي وَأَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيرُ  
الْمُسْتَفِئْتُ الْمَسْتَجِيرُ الرَّجُلُ الْمَشْفِقُ  
الْمَقْرَأُ الْمَعْتَرِفُ بِذُنُوبِي! أَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ  
الْمُسْكِينِ وَأَسْأَلُكَ بِتِهْمَالِ اللَّهِ  
الذَّلِيلِ وَأُدْعُوكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ  
الضَّرِيرِ وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ  
سَرِيَّتُهُ وَفَاضَتْ لَكَ عَيْرَتُهُ وَذَلَّ  
لَكَ جِسْمُهُ وَرَغِمَ لَكَ أَنْفُسُهُ  
اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْنِي بَدْعًا لَكَ شَقِيحًا وَرَكْنًا  
لِي سَرِعًا وَفَاسِحًا يَا خَيْرَ الْمَسْئُولِينَ  
يَا خَيْرَ الْمُعْطِينَ !!  
دکن: اسماعیل بن عباسؒ و عبد اللہ بن جعفرؒ

وَأَمْنُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِلًا عَلِيمًا  
 کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے

(پ ۴۶) والا اور خوب جاننے والا ہے!

غزاب یا دردناک تجربوں اور مصیبتوں سے بچنے کا طریقہ ”ایمان و شکر“ ہے عقیدہ و عمل ہے، ایمان باللہ و عمل صالح ہے! یعنی ”الغنى“ کا تغیر ہے نقطہ نظر کا بدلنا ہے، سیرت کی اصلاح ہے، تقویٰ کا پیدا کرنا ہے، حق تعالیٰ کا دامن پکڑنا ہے، ان کی ہدایتوں پر عمل کرنا ہے۔ ان کے بتلاتے ہوئے طریقوں پر چلنا ہے! ہم خود اپنے ہاتھوں اپنی عاقبت کے ختم میں آگ لگاتے ہیں، ہم خود اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں، ہم خود اپنی جانوں کے دشمن ہیں، ہمارے سوا ہمارا کوئی دشمن نہیں! شیخ ابوسعید ابوالخیر نے اس حقیقت کو خوب لکھا ہے:

آتش بدو دست خویش در زخم خویش  
 جوں خود ز وہ ام چہ ناہم از دشمن خویش  
 کس دشمن من نیست منم دشمن خویش  
 اے وائے من دوست من دامن خویش

اسی لئے حق تعالیٰ نے جو ہمارے مولیٰ ہیں اور سب سے زیادہ خیر خواہ ہیں، ہم سبھوں کو انھوں

پر پھیلوں کو، ایک ہی وصیت فرمائی ہے اور وہ یہی ہے کہ ہم، ہی کی زندگی بسر کریں۔

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا لِكِتَابٍ مِنْ

قَبْلِكُمْ وَأَيُّكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ رَبَّهُ (۱۶)

پہلے کتاب ملی تھی اور تم کو بھی کہ حکم خداوندی کی اطاعت

کرو اور اس کی مخالفت سے بچو یعنی تقویٰ کی زندگی اختیار کرو۔